The Study of Religion and History
Volume 3 issue 1 (2025)
www.srhjournal.com
ISSN(Print): 3006-3329 ISSN(Online): 3006-3337

بچے کی نفسیات اور ادبِ اطفال

(Child psychology and children's Literature)

Dr.Barkat Shah*
SST,G Govt Shaheed Umar Hayat Higher Secondary School NO1 Charsadda.

Dr.Waqar Nawaz
Lecture in Urdu Government Degree College waddpagga Peshawar.

Abstract:

Child psychology is the study of subconscious and conscious childhood development. Getting to know your child as they develop can be one of the most rewarding parts of being a parent. Learning how your child views the world, teaching your child new skills and mentoring them as they process big new feelings and changes is all part of being a parent, but it's not easy. As your child develops they go through progressive developmental stages, from birth into adulthood. Environmental, genetic and cultural factors can all affect a child's development and how quickly they progress from one stage to the next. It's difficult for children. To explain what they are going through, much less to analyze their feelings.

Keywords: *Child, Development, Learning, Skills, Progressive, Genetic.*

بچہ سادہ لوح ہوتا ہے۔اس کی زندگی بالکل کورے سفید کاغذ کی مانند ہوتی ہے۔بچے کے بزرگ،اس کا ماحول اور اس کے آس پاس کی سماجی اور سیاسی فضا اس کی شخصیت پر جو چھاپ ڈالتی ہے وہ زندگی بھر اس کے ذہن ودل پر مرتسم رہتی ہے۔اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آج جو بچہ ذہنی طور پر صحت مند ہے وہ زندگی کے ہر میدان میں آگے نظر آئے گا۔جو بچہ عقلمند، تیز اور سمجھ دار ہوتا ہے اس کے خیالات بلند،ارادے پختہ اور شخصیت پر کشش ہوتی ہے۔ایسے بچے میں ہر کام کو خود کرنے کی جستجو اور اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی سوجھ بوجھ ہوتی ہے اور وہ آگے جاکر بہت کامیاب انسان ثابت ہوتا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ بچے کی نشو ونما مناسب ماحول میں ہو، ایک نارمل بچے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے لیے سب کچھ اس کے بڑے ہی کریں یا اس کا ہر کام اور ہر اُلجھن بڑے ہی دور کریں۔بچہ تو خود اپنا کام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ خود کام کر کے خوشی محسوس کرتا ہے۔وہ ایسا آزاد ماحول چاہتا ہے جو اس کے خیالات اور تصوّرات کو عملی جامہ پہنانے میں مدد کرے۔

بچے کی زندگی بڑوں کی زندگی سے پوری طرح متاثر ہوتی ہے اور زیادہ تر دیکھا گیا ہے کہ بڑے جیسا بچوں کو بنانا چاہتے ہیں،بچے ویسا بن بھی جاتے ہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بچہ مجبور ہوتا ہے وہ شروع میں اپنے ماحول،اپنے بڑوں کے مزاج اور کبھی کبھی خیالات اور نظریات کے لیے بھی بغاوت کر بیٹھتا ہے۔بڑے اپنی زبردستی اور زیادتیوں کے سبب بچوں کو مجبور کرتے ہیں۔یہ قطعی نہیں سمجھنا چاہیے کہ بچے بالکل ویسا ہی بن جائیں جیسا کہ بڑے چاہتے ہیں۔بچے بہت ذہین اور حساس ہوتے ہیں لیکن بعض اوقات بچوں کی ذہنیت اپنے بڑوں کی غیر دانشمندانہ رویّوں کا شکار ہو جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جو لوگ بچوں کی نفسیات کا خیال نہ رکھتے ہوئے ان پر بے جا دباؤ ڈال کر ان کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں وہ بچے بعد میں غصیلے اور شورہ پشت نوجوان کہلاتے ہیں۔آج کے دور میں یہ بہت بڑا مسئلہ بن چکا ہے کیوں

کہ بڑے ایک طرف تو بچے کو پیار دیتے ہیں اور دوسری طرف اپنے نظریات اور فلسفے کو میٹھی زہریلی گولیوں کی شکل میں ان کے حلق میں ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ روش بچے کی شخصیت کو اُبھرنے نہیں دیتی۔ اس ضمن میں للین اسمتھ یوں رقم طراز ہیں:

> ''No force in the world can compel children to read for long what they do not want''.1

اکثر لوگوں کے ذہن میں اس غلط خیال نے گھر کر لیا ہے کہ بچہ دنیا کی سب سے زیادہ خوش و خرم اور مطمئن مخلوق ہے۔ جسے روزی کمانے کے لیے کسی قسم کی جدوجہد نہیں کرنی پڑتی اور جو دنیا کے ہر قسم کی فکر سے آزاد ہے جسے سب پیار کرتے ہیں اور جو اپنی ہر خوشی پوری کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

جہاں تک بچے کے غمِ روزگار سے آزاد ہونے کا تعلق ہے تو یہ بالکل درست ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ خوشی کی نفسیات میں روزگار کا غم اگرچہ کچھ کردار ادا کرتا نظر آتا ہے مگر وہ کردار بنیادی نہیں ہوتا۔ بالغوں کی طرح بچوں کی خوشی کا بھی بڑی حد تک جذبات و احساسات پر انحصار ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنی محدود دنیا کے مطابق اس کے جذباتی تقاضے اور ان کی تسکین نسبتاً ایک چھوٹے دائرے میں محدود رہتی ہے۔ بچے کے جذباتی نشوونما میں اس کے والدین اور دیگر افرادِ کنبہ کا اس کے بارے میں روا رکھے گئے طرزِ عمل سے بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ بچہ جو چاہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے اپنے بزرگوں سے کرا لیتا ہے۔ اس میں احساس کا مادہ اس حد تک نہیں ہوتا جتنا کہ بڑوں میں ہوتا ہے۔ بچے اور بڑے کی دنیا الگ ہوتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بڑے بہت کم آزاد ہوتے ہیں وہ اپنے خیالات اور تفکرات کا شکار رہتے ہیں۔ وہ تھوڑی تفریح اس لیے کرتے ہیں کہ غمِ روزگار کو بھول سکیں۔ بچوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے وہ صبح سے شام تک بغیر تھکے کھیلتے رہتے ہیں، دوڑتے بھاگتے ہیں، ایک دوسرے کو مارتے ہیں، جھگڑتے ہیں، پڑھتے ہیں اور پھر کھا پی کر اتنی گہری نیند سوتے ہیں کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی۔

اب تک بہت کم لوگوں نے بچوں کی زبان، ان کی باتوں، ان کی نفسیات، ان کی دلچسپیوں اور خواہشات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور یہ سلسلہ صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ بچوں کے جذبات و احساسات اور خواہشات تک کا والدین کو احساس نہیں ہوتا۔ ماضی کے اوراق پلٹنے سے اور بھی مایوسی ہوتی ہے کیوں کہ ہمارے سماج میں بچوں کو شروع سے نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ بچوں کی نفسیات کے حوالے سے ان کی ایک خاص بات بچوں کی خود نمائی کی عادت ہوتی ہے۔ خود نمائی کی یہ عادت بچوں میں ہی نہیں بڑوں میں بھی ہوتی ہے۔ بچہ خود جو کچھ ہے اور جو کچھ کرنا چاہتا ہے اسے دنیا والوں کو دکھانا چاہتا ہے۔ اس کی نمائش چاہتا ہے، اس کی داد چاہتا ہے۔ بچے میں یہ فطرت شروع ہی سے ہوتی ہے۔ وہ اچھے کپڑے پہن کر سب کو دکھاتا ہے۔ اگر اس کی کوئی تصویر بنائی گئی ہے تو اس کو دکھا کر داد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

> ''بچے کا ایک اہم نفسیاتی مسئلہ یہ ہے کہ وہ بڑوں کی توجہ اور محبت کا طالب ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے مداحوں کے حلقے میں مرکزِ توجہ بنا رہے، سب لوگ اس کو سراہیں، اس کی واہ واہ ہو اور اس کی جے ہو۔ وہ جو کچھ بھی کرے اس پر اس کی داد بلکہ بہت زیادہ داد ملنی چاہیے''۔(۲)

بچے کی پیدائش سے لے کر اس کی مکمل نشوونما تک نفسیات کا علم بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بچوں کی نفسیات ہی بچوں کے ادب کو جنم دیتی ہے۔ بچوں کے پڑھنے کی عادات اور ان کی بڑھتی ہوئی دلچسپی ہی کی بدولت ان کے لیے ایک الگ ادب تخلیق کیا گیا جس کو آج ''بچوں کا ادب'' کہا جاتا ہے۔ چونکہ بچوں کے ادب کی ابتدا ان لوریوں سے ہو جاتی ہے جن کو مائیں بچوں کو سلاتے وقت گنگناتی ہیں۔ اس وجہ سے ادبِ اطفال انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ گامزن رہا ہے جو بالآخر ادبی شکل اختیار کر گیا۔ بچے کی نفسیات اور ضروریات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے نظم، لوری، کہانی، گیت، قصے، ڈرامے، مضمون اور دیگر مختلف اصناف بچوں کے لیے لکھی گئی ہیں تاکہ ان میں مطالعہ کی عادت پختہ ہو۔ جیسے تہذیب و تمدن میں تبدیلیاں رونما ہوتی گئیں، بچوں کی نفسیات بھی متاثر ہوتی رہیں۔ آج دنیا ترقی کی جانب گامزن ہے۔ جدید سائنسی ایجادات، انکشافات اور جدید ٹیکنالوجی کی بدولت بچوں اور بڑوں کی زندگی میں ایک انقلاب برپا ہوا ہے۔ آج کے بچے پہلے جیسے نہیں رہے۔ آج کے بچے ذہنی اعتبار سے بہت سمجھدار ہیں اور ان کی قوت متخیّلہ بھی بہت تیز ہے۔ جس طرح اس دنیا کے لیے بچے نئے ہوتے ہیں اسی طرح یہ دنیا بھی بچوں کے لیے بالکل نئی اور عجوبہ ہوتی ہے۔ بچہ بڑا ہو کر بھی دنیا کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہتا

ہے اور پھر بھی پوری طرح سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس دنیا کی ہر شے کو جاننے اور سمجھنے کی خواہش کو اُلٹ پلٹ کر اور توڑ پھوڑ کر ہی بچہ اپنی خواہش اور اضطراب کو آسودہ کر لیتا ہے لیکن جیسے ہی بچہ مادری زبان سمجھنے لگتا ہے وہ بڑوں سے اُلٹے سیدھے سوالات کرنا شروع کر دیتا ہے۔ کیوں؟ کیسے؟ کب اور کہاں؟ جیسے سوالات کا ایک ذخیرہ بچے کے ذہن میں ہوتا ہے۔ ایسے میں زیادہ تر ماں باپ بچے کے تمام سوالات کے جوابات نہیں دے پاتے۔ وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اس عمر میں انہوں نے بھی اپنے بزرگوں سے اس قسم کے سوالات پوچھے تھے۔ اگر اس وقت ان کو صحیح جواب مل جاتا تو وہ بچوں کے لیے بے اطمینانی کا سبب نہ بنتے، جب بڑے بچوں کے سوالات کا جواب نہیں دے پاتے تو ان کو ڈانٹ ڈپٹ کر ہٹانا اور چپ کرانا پڑتا ہے جو کہ بہت بڑی غلطی ہے۔ بچے تو دنیا کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ اگر ہم ان کو صحیح طریقے سے نہیں بتائیں گے، ان کو پیار و محبت سے جواب نہیں دیں گے تو ان کی یہ خواہش بجھ جائے گی اور وہ دنیا کے بارے میں کچھ نہ جان پائیں گے نتیجہ کے طور پر ان کی معلومات نہایت محدود ہو کر رہ جائیں گی۔

ہر چیز کو جاننے کی خواہش، بچوں میں لاتعداد سوالات پوچھنے کی فطرت کو جنم دیتی ہے۔ اگر بچے کی ہر چیز کے بارے میں معلوم کرنے کی خواہش کی ہمت افزائی ہوتی ہے اور اس کی صحیح رہنمائی کی جاتی ہے تو بچے کا ذہن تیزی سے ترقی کرتا ہے اور اس کی شخصیت کی تعمیر میں معاون ہوتا ہے۔ بچے کا کچھ نہ کچھ کرتے رہنا بچے کی عادت میں شامل ہے۔ کچھ نہیں تو توڑ پھوڑ ہی کرے گا۔ یہ توڑ پھوڑ کچھ نہ کچھ کرنے کی عادت کی پہلی منزل ہے۔ توڑنے یا بگاڑنے کی یہ عادت بعد میں اس چیز کو جوڑ کر بنانے پر اکساتی ہے۔ تعمیری افعال اور تخیّل میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ حروف کو جوڑ کر لفظ تیار کرنے والے کھلونے، ریت کے گھروندے، مٹی کے گھر، گڑیا یا گڈے کی سجاوٹ وغیرہ میں بچوں کی دل چسپی اسی فطرت کا نتیجہ ہے، اس طرح ان میں کچھ نہ کچھ کرنے کی عملی پہلو کے ساتھ ساتھ خود اعتمادی بھی پیدا ہوتی ہے۔

بچہ کسی کے بھی مقابلے میں خود کو کمزور تصوّر نہیں کرتا اور نہ یہ کسی دوسرے بچے سے کسی بات میں خود کو چھوٹا یا کمزور سمجھتا ہے۔ بڑا ہونے پر اس کی یہ فطرت اسے باہمّت اور بہادر بناتی ہے جو بعد میں اس کی اخلاقی خوبیوں میں سے ایک خوبی بن جاتی ہے۔ کھیل کود اور مہماتی سیاحت وغیرہ میں یہ عادت بڑے بڑے کام انجام دیتی ہے۔ اس طرح بچے جو کچھ بھی دیکھتے ہیں اسے اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں۔ اپنی دل چسپی کی چیزوں کو جمع کرنا بچے کی فطرت میں شامل ہے۔ اگر ان کی اس فطرت کو دبانے کی کوشش کی گئی تو وہ لاپرواہ اور غیر ذمہ دار بن جاتے ہیں۔ احترام اور فرمانبرداری جیسے اوصاف کا بچے میں ہونا ضروری ہیں، اس سے بچے کے دل میں نرمی اور دوسروں کے لیے احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر بچے میں یہ اوصاف نہ ہوں تو سماج میں اس کا جینا مشکل ہو جائے، اس لیے اخلاقی اور سماجی دونوں اعتبار سے احترام اور فرمانبرداری کی یہ عادت بچے کے لیے بہت ضروری ہے۔

بچے کو کبھی کبھی پیار سے بندر کہا جاتا ہے۔ یہ خطاب اس کو محض اس کی شوخی اور شرارتوں کی وجہ سے نہیں ملا بلکہ وہ دوسروں میں جو کچھ دیکھتا ہے، بندر کی طرح اس کی نقل کرتا ہے، نقل کرنے کی یہ صلاحیت فطرت انسانی ہے۔ بچوں میں یہ بہت تیز ہوتی ہے۔ بچے ہر ایک کی نقل با آسانی اُتارتے ہیں۔ اگرچہ بڑوں کی نقل اُتارنا برا سمجھا جاتا ہے لیکن یہ بچے کی جسمانی اور ذہنی نشو و نما کے لیے بے حد ضروری ہے۔ بچے میں دوسروں سے اپنا تقابل کرنے کی خوبی بھی پائی جاتی ہے۔ اس فطرت کے سبب دوسرے بچوں میں سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ پڑھائی، لکھائی، کھیل کود، رہن سہن اور دوسری اچھی باتوں میں بچوں میں مقابلے کا جذبہ ہوتا ہے۔ مقابلے کے دو پہلو ہیں ایک رشک اور دوسرا حسد۔ رشک کے تحت بچہ دوسرے بچوں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ دوسرے کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا جب کہ حسد میں بچہ دوسرے بچے سے جلنے لگتا ہے اس کو نقصان پہنچا کر خود آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ مقابلے کا پہلو "رشک" بچے کے لیے بہت فائدہ مند ہے لیکن دوسرا بے حد نقصان دہ ہے۔ بچے کے تخیّل کی پرواز بہت تیز ہوتی ہے وہ قدرتی مناظر سے محظوظ ہوتا ہوا، دوڑتا ہوا، کھیلتا ہوا اور دل ہی دل میں لاتعداد غیر ممکن باتوں کو ممکن بنا کر اپنے تخیّل کے تانے بانے بنتا رہتا ہے۔ علمِ نفسیات میں تخیّل کو ذہن کا وہ فعل مانا گیا ہے جس کے ذریعے کسی بھی شے کی عدم موجودگی میں اس کا ہو بہو احساس ہوتا ہے۔ ولیم جیمز لکھتا ہے:

> "Sensation once experienced, modifies the nervous organism, so that copies of them arise again in the mind after the original outward stimulate is gone. No mental copy, however, can arise

in the mind of any kind of sensation which has never been directly excited from without". ۳

ولیم جیمز کے اس اقتباس کی روشنی میں تخیّل اور پرانی یادوں میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ پرانی یادیں تو کسی بھی چیز کی ویسی ہی شکل پیش کرتی ہیں جب کہ تخیّل کا کمال یہ ہے کہ یہ ماضی اور حال کے تجربات کی بناء پر نئے خیالات پیدا کرتا ہے۔ انسان کا تخیّل جس قسم کا ہوتا ہے اس کو دنیا ویسے ہی نظر آتی ہے، اس کی مدد سے انسان اپنی زندگی کو رنگین تر بنا سکتا ہے۔ دکھ میں سکھ کا احساس پیدا کرنا تخیّل کا کام ہے۔ بچہ اپنے ماحول، والدین اور بزرگوں سے جو کچھ سنتا ہے اسی کا تخیّل کرتا ہے۔ ایک دوسرے کے دامن کو پکڑ کر اور چھک چھک کی آوازیں نکال کر ریل گاڑی بنا لینا، ڈاکٹر بن کر بیمار گڑیا کو دیکھنا وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو بچے کے ماحول اور تجربات کی دین ہیں۔ تخیّل کی یہ صلاحیّت تجربات کے ساتھ اسی منفرد عادت اور فطرت کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی طرح کہانیوں کے ذریعے بچے کی قوت متخیلہ بڑھتی ہے۔ بچوں کی کتب کے پڑھنے کے سلسلے میں ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ کتاب پڑھنے سے بچے کا ذہن تیزی سے بڑھتا ہے اس لیے بچے میں مطالعہ کی دلچسپی اور عادت کو فروغ دینا بہت ضروری ہے۔ پڑھنا صرف دماغی فعل ہی نہیں اس کے ذریعے احساسات اور جذبات کا بھی ارتقاع ہوتا ہے۔ مطالعے سے مزاج، دلچسپی، خوشی، ہمت، لگن اور خواہشات میں اضافہ ہوتا ہے اور بچے کی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔

"بچوں کے ادب" پر این۔ سی۔ ای آر۔ ٹی کے منعقدہ ایک سیمینار کے ورکشاپ میں پر یا کپور نے بچوں کی نفسیات اور ادبِ اطفال کے رشتے پر اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"Knowing children and knowing good books are two sides of the coin. We need the books to fire a child's imagination and take him to a wonderful world of fact and fiction". ۴

بچے کے لیے کتاب کی اہمیت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ بچوں کو شروع ہی سے رنگین، دیدہ زیب اور دلکش کتابوں سے دلچسپی ہوتی ہے۔ ابتدا میں بچے صرف تصاویر دیکھنے کے لیے ورق گردانی کرتے ہوئے خوش ہوتے ہیں پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زبان سے ان کی واقفیت اور پڑھنے کی استعداد بڑھتی جاتی ہے اور کتابوں سے ان کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ جب وہ بڑوں کو کتابیں پڑھتے دیکھتے ہیں تو یہ خود بھی پڑھنے کے لیے بے چین ہوتے ہیں۔ مطالعے سے بچے کی رغبت اس کے فطری رجحانات کے تحت بڑھتی ہے۔ پہلے اسے کتاب کی ظاہری دلکشی متاثر کرتی ہے اور بعد میں اس کا موضوع اور اسلوب اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ بچوں کے لیے لکھنا مشکل کام ہے یہ ایک باقاعدہ اور علیحدہ فن ہے جس میں بہت احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ ذرا سی لغزش سے مصنف کا مقصد فوت ہو سکتا ہے جس سے تصنیف بے روح ہو سکتی ہے۔ بچوں کے لیے لکھنا جتنا مشکل ہے اُتنا ہی ایک قیمتی فن بھی ہے۔ اشاعت کے اس میدان میں ناشر، مصنف اور آرٹسٹ تینوں مساوی اہمیّت رکھتے ہیں۔ یہ ایک ٹیم ورک ہے۔ بچوں کے ادب میں سادہ اسلوبِ بیان ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی اچھی کہانیاں، نظمیں اور ڈرامے بچے کی دلچسپی کو اُبھارنے میں ناکام رہتے ہیں کیوں کہ ان کا اندازِ بیاں غیر جاذب نظر ہوتا ہے یا بچوں کی اپنی زبان میں نہیں ہوتا۔ بچے کے دل میں دنیا اور گرد و پیش کی چیزوں کے بارے میں جاننے کی جو خواہش ہوتی ہے اسے شروع ہی سے آسودہ کرنا ہوتا ہے اور یہ کام اچھی کتابیں بخوبی انجام دے سکتی ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر رقمطراز ہیں:

"بچہ اپنی عمر اور جسم کی بنا پر تو کمزور اور ناتواں ہوتا ہے لیکن دوسروں کا سلوک اس میں عدم تحفظ کے جن شدید احساسات کی آبیاری کرتا ہے وہ اس میں مزید ناتوانی کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ یوں کہ وہ خود کو بالکل ہی بے بس، بے کار اور بے معنی سمجھنے لگتا ہے۔ ایسے میں کتاب اس کی ہمت بندھاتی ہے چنانچہ وہ "بچہ" کہانیوں کے کرداروں کے ساتھ اپنی نفسی تطبیق کر لیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ محض قاری سے بڑھ کر ہیرو بن جاتا ہے۔ ادب کی اثر پذیری میں تطبیق کی اپنی نفسیاتی اہمیت ہے"۔(۵)

جیسے جیسے اقوام عالم کے درمیان باہم رسل ورسائل کی فراوانی ہوتی گئی تو ایک ملک اور ایک قوم کا ادب دوسرے ملکوں اور دوسرے اقوام تک سیاحوں، سفیروں اور تاجروں کی وساطت سے پہنچنے لگا۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ملک کے بچوں کے لیے ایک کہانی کسی اور نام سے مشہور ہے اور دوسرے ملک میں وہی کہانی اُس ملک کی زبان میں کسی اور نام سے معروف ہے۔ قدیم زمانے میں بچوں کی دلچسپی اور موضوع کے اعتبار سے ان کی کہانیوں اور گیتوں کو بڑوں کے ادب سے الگ کیا گیا۔ اپنے وطن سے محبت، بنی نوع انسان کی خدمت، کھیل کود وغیرہ سے متعلق نظمیں اور اس قسم کے دیگر نفسیاتی تصوّرات بچے کی شخصیت کو متاثر کرتے ہیں۔ بچوں کے ادب اور بچوں کی نفسیات میں گہرا تعلق اور ربط ہے۔ بچوں کی نفسیات کا بھرپور مطالعہ کیے بغیر کوئی بھی ادیب ان کے لیے اچھی کتابیں نہیں لکھ سکتا۔ ادبِ اطفال کے لیے خود بچے ایک بہترین کسوٹی ہیں۔ کیوں کہ وہ اپنی دلچسپی اور رجحانات کے اعتبار ہی سے کتابیں پسند کرتے ہیں لہٰذا بچوں کی نفسیات کا گہرا مطالعہ ہی بچوں کے ادب کی بنیاد ہے۔

بچوں کی کتابیں ایسی ہونی چاہئیں جن کے ذریعے بچوں کی جبلتیں صحیح معنوں میں پرورش پائیں۔ ان جبلتوں اور خصلتوں کی پرورش ان اصولوں اور نظریوں کے مطابق ہو جنہیں زندگی میں علمی حیثیت حاصل ہے اور جن کے بغیر زندگی فعال نہیں رہتی۔ بچوں کی جو کتابیں لکھی جارہی ہیں انہیں بچوں کی ذہنی استعداد کے مطابق ہونی چاہیے۔ ابتدائی جماعتوں میں جہاں ادب کی مختلف اصناف کو سمجھنے کا شعور ہی نہیں ہوتا وہاں غالبؔ کے خطوط اور اقبال کے نظریہ خودی کی وضاحت بے معنی ہوگی۔ لہٰذا بچوں کی کتابیں تصنیف کرتے وقت ہمیں نفسیاتِ اطفال کا میزان ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے اور جاننا چاہیے کہ مختلف سن وسال کے بچوں کے طبعی میلانات اور رجحانات کیا ہیں؟ بچوں کی تعلیمی نفسیات میں ان کے سن وسال کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ جب تک اس تخصیص کا خیال نہیں رکھا جاتا، تعلیم موثر ثابت نہیں ہوسکتی۔

بچے تو اپنے مستقبل کی طرف دیکھتے ہیں جس طرف ان کے قدم خود بخود اُٹھتے ہیں۔ اگر اس میں کوئی رُکاوٹ آتی ہے یا ان کی پسند کے خلاف کوئی بات ہوتی ہے تو بچے اس کو رد کردیتے ہیں۔ بچے کا مستقبل بہت روشن ہوتا ہے اس میں بہت سے رنگین خواب، سکھ چین، آرام اور زندگی کی رنگینیاں ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جدوجہد کی کالی گھٹائیں بھی ان کی زندگی کے ساتھ ساتھ رہتی ہیں جن کو دیکھ کر وہ ہمّت سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور زندگی میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ اس مستقبل کے بارے میں بچے خود کچھ نہیں جانتے اور نہ ان کے بڑے ان کے مستقبل کے بارے میں مطمئن ہوتے ہیں لیکن اس مستقبل کے لیے چوں کہ ان بچوں کو ہی جدوجہد کرنا ہے لہٰذا شروع ہی سے ان کی خواہشات اور ہر چیز کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی عادت سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ بچے زندگی کے ہر حادثے، کتاب کی ہر کہانی اور زندگی کی ہر سچائی کا اپنے پیمانہ پر تجزیہ کریں گے۔ جس چیز میں ان کو دلچسپی ہوتی ہے، جس چیز کی طرف ان کا دل کھنچتا ہے بچے وہی کرتے ہیں، آپ اس سلسلے میں بچوں کو مجبور نہیں کرسکتے۔ بچے خود کو مستقبل کے لیے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی مدد کریں اور جو گزر گیا اس کی طرف دیکھنے کی بجائے آگے بڑھیں۔ جان اینڈرسن نے لکھا ہے:

> "The child is engaged in an ongoing process of development that is not reversible, because of the interrelation that accrue neither relations within the child, those within the context, nor their inter action can be reproduced a second time in their exact original forms." ٦

زندگی ہمیشہ "حال" میں ہوتی ہے اور مستقبل کی طرف بڑھتی رہتی ہے۔ بچوں کو کتابیں بھی ایسی ہی پسند آتی ہیں جو ان کے مستقبل کو بنانے میں معاون ثابت ہوں۔ ایسی کتابیں نہیں جو "حال" کا آئینہ نہیں ہیں اور جو بچوں کے تصوّرات کو ان کے مستقبل تک نہ لے جاسکیں۔ اسی وجہ سے مافوق الفطرت کردار اور واقعات اب اپنی دلچسپی کھوتے جارہے ہیں۔ بچے ایسی کہانی سُن کر پری سے ملنا چاہتے ہیں۔ "جن" کو دور سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ "دیو" کو سزادینا چاہتے ہیں۔ جب ان بچوں کو حقیقی دنیا کا پتا چلتا ہے تو مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اب بچے ہوائی جہاز، راکٹ اور مصنوعی سیارے میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ حقیقی دنیا کو سمجھنے لگتے ہیں اور بے بنیاد باتوں کا تخیّل اب بچے کو پسند نہیں آتا۔ ہیڈ فیلڈ لکھتا ہے:

> "Fairy tales are really symbolic of abstract ideas and the boy or girl of this age is concerned not with the abstract but with practical achievements. His imagination is occupied with the

wonderful things, he can and will do and so he is not interested in fairy tales.” ((۷

بچوں کی کتابوں کے سلسلے میں یہ نظریہ واضح طور پر سامنے آیا ہے کہ وہ جن کتابوں کو پسند کرتے ہیں وہی کتابیں بچوں کے ادب میں شامل کی جاسکتی ہیں، لیکن بچوں کے لیے لکھی ہوئی تمام کتابوں کو بچوں کے ادب میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ مطالعے سے بچے کی رغبت اس کے فطری رجحانات کے تحت بڑھتی ہے، پہلے اسے کتاب کی ظاہری دلکشی متاثر کرتی ہے اور بعد میں اس کا موضوع اور اس کا اسلوب اپنے اثرات مرتسم کرتا ہے۔ پڑھنے کے سلسلے میں ولیم گرے کا کہنا ہے:

"روزمرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے، رہن سہن اور زندگی کے معیار کو بلند کرنے کے لیے، اپنے ذہنی اور جسمانی نشوونما کے لیے، شہرت اور انسانی افکار کی وسعت کے لیے، دنیا کو سمجھنے کے لیے، مذہبی ضروریات کو بڑھانے اور ان کو پورا کرنے کے لیے مطالعہ بہت ضروری ہے، زندگی کو رنگین بنانے میں کتابوں کی بہت اہمیّت ہے۔"(۸)

"ادب اطفال" کا تعلق بچے کی دماغی نشوونما سے ہے۔ اس ادب کو بچوں کی عمر کے اعتبار سے دو مدارج میں تقسیم کر سکتے ہیں جو کہ تین سال سے چودہ سال تک کی عمر کا احاطہ کرتے ہیں۔ بچوں کے لیے لکھی جانے والی کتابوں پر ان ہی مدارج کی پابندی خاص طور پر عائد کی جاتی ہے لیکن عمر کی مدارج کی تقسیم بچوں کے ادب میں قابل قبول نہیں۔ کیا اس پابندی کے تحت بچوں کا ادب لکھا جاسکتا ہے؟ کیا ادیبوں اور شاعروں کے لیے اس کا پابند ہونا ضروری ہے؟ یہ اور اس قسم کے بہت سے سوالات بچوں کے لیے کتابیں لکھتے ہوئے مصنف کے سامنے آتے ہیں۔ ان سوالوں پر غور کرنے سے قبل بچوں کی ذہنی نشوونما سے متعلق مختلف ماہرین نفسیات کے تجربات اور ان کے نتائج پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔ اُردو فقط زبان نہیں بلکہ ایک گنگا جمنی تہذیب کا نام ہے۔ اس نے ہمیشہ سیاسی و سماجی، معاشی و اقتصادی، مذہبی، تہذیبی اور اخلاقی مسائل کی نمائندگی کی ہے۔ اُردو شعر و ادب میں یوں تو ابتدائی ایام سے ہی ادب اطفال کی جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں لیکن آزادی کے بعد اُردو کے ادبا و شعرا نے بچوں کی پرورش و پرداخت اور ان کی عملی و علمی صلاحیتوں کو بڑھانے پر توجہ مرکوز کی۔ اُردو کی جن شاعروں اور ادیبوں نے وقتاً فوقتاً ادبِ اطفال کو فروغ بخشا اُن میں اکبرالہ آبادی، محمد حسین آزادؔ، خواجہ الطاف حالیؔ، علامہ اقبال، تلوک چند محروم، اسماعیل میرٹھی، پریم چند، کرشن چند، عصمت چغتائی، قرۃالعین حیدر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

محمد حسین آزادؔ اور اسماعیل میرٹھی نے تدریسی اور نصابی کتب کے ذریعے ادبِ اطفال کی آبیاری کی جب کہ مولانا الطاف حالیؔ نے اصلاحی اور مقصدی تحریروں کے ذریعے بچوں کی ذہنی، جسمانی اور اخلاقی تربیت پر زور دیا۔ اُردو دنیا میں قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان نئی دہلی اور اکادمی ادبیاتِ اطفال پاکستان دو ایسے فعال اور متحرک ادارے ہیں جو عصری تقاضوں اور بچوں کی نفسیات اور دلچسپی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ادبِ اطفال کو فروغ دینے میں سرگرم عمل ہیں۔

حوالہ جات

Lillian Smith “A critical Approach of children’s Literature” P# 12(1

۲) سلیم اختر، ڈاکٹر ’’بچہ اور کتاب نفسیات کی روشنی میں‘‘، ماہنامہ ماہنور، نومبر ۱۹۷۹ء ص ۵۴

William James “Principles of Psychology”, Vol II, P# 44(۳

Praya Kapoor “Child Psychology and Children’s Literature a paper read in the symposium (۴ and prize competition for children’s literature from 28 to 30 January 1980, organized by .N.C.E.R.T, New Delhi

۵) سلیم اختر، ڈاکٹر ’’بچہ اور کتاب نفسیات کی روشنی میں‘‘، ماہنامہ ماہنور، نومبر ۱۹۷۹ء ص ۵۵

John E Anderson: “Methods of child psychology” from the book, manual of child psychology. (Edit by) L Car-Michael – Page 3 (۶

J & A, Hadfield, “Childhood and Adolescence”. Page 156 ۷)

۸) ولیم سی گرے، ’’دی ٹیچنگ آف ریڈ نگ اینڈ رائیٹنگ‘‘، ص ۲۴۵